حُریّتِ انسانی کا قائم کرنے والا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ ھُوَ النَّاصِرُ

حُریّتِ انسانی کا قائم کرنے والا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

غلامی کا سوال ایسا پیچیدہ سوال ہے کہ بہت ہی کم لوگوں نے اس کو سمجھا ہے اور بہت ہی کم لوگوں نے اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ افسوس ہے کہ اکثر لوگوں نے اس سوال کی پیچیدگی کو بھی محسوس نہیں کیا اور بغیر غور اور فکر کے اس کے متعلق رائے قائم کرنی شروع کر دی ہے۔ غلامی نہ ہر زمانہ اور ہر ماحول میں بُری قرار دی جا سکتی ہے اور نہ اسے کوئی شخص ایک جُنبشِ قلم سے روک سکتا ہے۔ جو شخص بھی نیچر کا یا ماضی کے ایک لمبے سلسلے کے پیدا کئے ہوئے ماحول کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے' بغیر اس کے کہ اصولی طور پر اس کی تمام جُزئیات کا علاج کرے' وہ یقیناً اپنے ہاتھ سے اپنی ناکامی کی بنیاد رکھتا ہے۔ اور عارضی طور پر اگر وہ دنیا کی نگاہوں میں مقبول بھی ہو جائے تو ہو جائے لیکن ضرور ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس کا حسن بدصورتی اور اس کی کامیابی ناکامی نظر آنے لگے گی۔

انسانی تمدن کے مدارج کا ایک درجہ

اگر ہم غلامی کے سوال پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اس بات کو نظرانداز کر دیں کہ لوگ ہمیں کیا کہیں گے اور ناموں پر فدا ہونے والے لوگ جو حقیقت پر غور کرنے کے عادی نہیں ہم پر کیا فتویٰ لگائیں گے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ غلامی درحقیقت انسانی تمدن کے مدارج کے وسیع سلسلے میں سے ایک درجہ ہے اور اسے کُلّی طور پر دنیا سے مٹایا نہیں جا سکتا۔

غلامی کا مفہوم

غلامی کا کیا مفہوم ہے؟ یہی کہ ایک شخص دوسرے کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو جاتا ہے یا تابع کر دیا جاتا ہے۔ اب اگر ایک شخص کا دوسرے کی مرضی کے تابع ہو جانا ایک بُرا فعل ہے تو جس طرح کُلّی طور پر تابع ہونا بُرا فعل ہے اسی طرح جُزئی طور پر تابع ہونا بھی بُرا فعل ہو گا۔

جُزئی غلامی

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کا سب کارخانہ اس جُزئی غلامی پر قائم ہے۔ بچہ جس وقت سکول میں جاتا ہے، سکول کے نظام کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس نظام کے قائم کرنے میں اس سے کوئی رائے نہیں لی جاتی، اس کے اوقات کے متعلق اس سے کوئی رائے نہیں لی جاتی، اس کے استادوں کے انتخاب میں اس سے کوئی رائے نہیں لی جاتی، اگر وہ اس نظام کو توڑتا ہے تو اسے بدنی سزا تک بھی دی جاتی ہے۔ اب اس بچہ میں اور ایک غلام میں کیا فرق ہے۔ یہی نا کہ غلام چوبیس گھنٹے کا غلام ہوتا ہے اور یہ صرف پانچ چھ گھنٹے کے لئے غلام بنتا ہے۔ اور یا یہ فرق ہے کہ غلام کی خدمات کا نفع دوسرا شخص اٹھاتا ہے اور اس طالبِ علم کی خدمت کا نفع خود اسی کو پہنچتا ہے۔ مگر جبر اور نظام کی اندھا دھند پابندی جو غلامی کے مفہوم کا جُزوِ اعلیٰ ہے، وہ یہاں بھی موجود ہے۔

غلامی کی تمام صورتیں بُری نہیں

پس ہم اس نظارہ کو دیکھ کر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ سارے وقت کی غلامی اور وہ غلامی جو دوسرے کے فائدہ کیلئے ہو بُری ہے لیکن وہ غلامی جو عارضی ہو اور اس کا فائدہ خود ہم کو پہنچتا ہو، وہ بُری نہیں۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ غلامی اپنی ذات میں تمام صورتوں میں بُری ہے۔

بچہ کی غلامی

لیکن طالب علم سے بھی بڑھ کر ہم کو ایک اور غلامی معلوم ہوتی ہے اور وہ وہ غلامی ہے جو بچوں سے ماں باپ کراتے ہیں۔ ہر بچہ اپنی جوانی کے زمانہ تک کُلّی طور پر اپنے ماں باپ کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کماتا ہے تو اس کے مالک اس کے ماں باپ ہوں گے، اگر وہ گھر کے کام کاج میں مدد دیتا ہے تو اس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جاتی، گھر کے نظام میں اس کی کوئی آواز نہیں ہوتی، کھانے، پینے، پہننے کے متعلق وہ اپنے ماں باپ کا تابع ہوتا ہے، اس کی آئندہ زندگی کی داغ بیل ڈالنے کے لئے اس سے کوئی رائے نہیں پوچھی جاتی، اس کے ماں باپ ہی اس کے لئے ایک پروگرام بناتے ہیں اور اس پر اسے چلاتے ہیں۔ غرض کیا اطاعت کے لحاظ سے، کیا حُرّیتِ ضمیر کے لحاظ سے، کیا ملکیت کے لحاظ سے اور کیا آزادیٔ اعمال کے لحاظ سے، ہر انسان دس بارہ سال کی عمر تک کُلّی طور پر اپنے ماں باپ کے ماتحت ہوتا ہے اور اس میں اور ایک غلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

کونسی غلامی بُری ہوتی ہے

اگر کوئی شخص کہے کہ بچہ کو ماں باپ نہایت پیار اور محبت سے رکھتے ہیں جو خود کھاتے ہیں، اس کو کھلاتے ہیں۔ جو خود

پہنتے ہیں' اس کو پہناتے ہیں۔ پھر بچہ کا بچپن کا زمانہ سمجھ کا زمانہ نہیں ہوتا۔ اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو اس کے لئے اور دنیا کے لئے نقصان کا موجب ہو گا۔ اس کے ماں باپ اسے جن باتوں کے لئے مجبور کرتے ہیں وہ خود اس کے فائدہ کے لئے ہوتی ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ معلوم ہوا' غلامی اُسی وقت بُری ہوتی ہے جب اپنے میں اور غلام میں کوئی فرق کیا جائے اور جب غلام کے فائدہ کا پروگرام مدنظر نہ رکھا جائے' جب غلام کی عقل پختہ اور فہم صحیح ہو مگر باوجود اس کے اس کو مجبور کیا جائے' ورنہ بچے اور ماں باپ کے تعلقات کو دیکھتے ہوئے بغیر قید کے غلامی کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔

ملازموں کی غلامی

تیسری قسم کی غلامی کی مثال ملازمتوں میں ملتی ہے۔ ملازمتوں میں بھی انسان بعض دفعہ یا بعض اعمال میں کُلّی طور پر دوسرے کے ماتحت ہوتا ہے۔ یا بعض اوقات میں کُلّی طور پر دوسرے کے تابع ہوتا ہے۔ مگر اس کا نام کوئی غلامی نہیں رکھتا حالانکہ ملازمت اور غلامی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شائد یہ کہا جائے کہ ملازم اپنی مرضی سے دوسرے کی ملازمت اختیار کرتا ہے اس لئے وہ غلام نہیں ہوتا۔ اور غلام پر جبراً قبضہ کیا جاتا ہے اس لئے ہم اس کو ملازم سے الگ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ امتیاز صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس امتیاز کے ماتحت یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اپنی مرضی سے فروخت کر دے تو ایسے شخص کا غلام بنانا جائز ہے لیکن اگر یہ بھی ناجائز ہے تو ماننا پڑے گا کہ مرضی کی غلامیاں بھی غلامیاں ہی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ غلام اور ملازم میں یہ فرق ہے کہ نوکر اپنی مرضی سے ملازمت چھوڑ سکتا ہے لیکن غلام ایسا نہیں کر سکتا۔ تو پھر ہمیں یوں کہنا پڑے گا کہ وہ غلامی بُری ہے جس کا طوق اپنی مرضی سے اُتارا نہ جا سکے۔ لیکن وہ غلامی حقیقی نہیں ہے جس کا طوق ہم اپنی مرضی سے اپنی گردن سے اُتار سکیں۔

غلامی تمدنِ انسانی کا جُزْوِ لَایَنْفَکّ ہے

بہرحال اوپر کی مثالوں سے یہ ضرور ثابت ہو گا کہ غلامی تمدن انسانی کا ایک **جُزْوِ لَایَنْفَکّ** ہے اور یہ کہ غلامی کا مفہوم اِس وقت تک دنیا میں نہایت مُبہم رہا ہے۔ اگر ہم اس کی تشریح کریں تو ہمیں دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ماننی پڑے گی۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ دنیا میں غلامی موجود ہے اور موجود رہے گی اور اس کے بغیر دنیا کا گزارہ چل نہیں سکتا اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ غلامی بھی دنیا کی اور چیزوں کی طرف بعض حالات میں اچھی ہوتی ہے اور

بعض حالات میں بُری۔ بعض شرطوں کے ساتھ جائز اور ان شرطوں کے بغیر ناجائز۔ ہم بغیر قیود کے نہ اس کی مذمت کر سکتے ہیں اور نہ اس کو جائز قرار دے سکتے ہیں۔

دنیا میں غلامی کی بنیاد کس طرح پڑی

اس تمہید کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ غلامی کی بنیاد دنیا میں کس طرح پڑی۔ انسانی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی پیدائش کی ابتداء میں جبکہ انسانی دماغ زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھا اور جبکہ اخلاق کی باریکیوں سے بھی انسان واقف نہ ہوا تھا اور ان کی عادت اس میں نہ پڑی تھی۔ اس وقت جبکہ ایک انسان دوسرے انسان کو اپنے رستہ میں روک پاتا تھا تو اس روک کے دور کرنے کا وہ صرف ایک علاج سمجھتا تھا۔ وہ علاج یہ تھا کہ اپنے مدمقابل کو قتل کر ڈالے۔ کیونکہ اُس دور میں ابھی انسان میں یہ سمجھنے کی قابلیت نہ تھی کہ جب ایک دوسرا شخص مجھے اپنے رستہ سے ہٹانا چاہتا ہے تو بغیر اس کے کہ میں اس شخص کو اپنے رستہ سے ہٹا دوں میری حفاظت کا اور کونسا رستہ ہو سکتا ہے۔ پس اُس زمانہ میں قتل ایک علاج تھا جو خود حفاظتی کا ایک انتہائی کامل ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اُس زمانہ میں وہ قتل جو لڑائی کے نتیجہ میں ہو کسی صورت میں بھی معیوب نہ تھا کیونکہ جو شخص اپنے دشمن کو قتل نہ کرتا' وہ یقیناً خود قتل کیا جاتا سوائے اس صورت کے کہ باہمی صلح ممکن ہو۔ پس اس زمانہ میں نیک اور بد اقوام جب کسی دوسری قوم سے جنگ کرنے پر مجبور ہوتی تھیں تو جب صلح کا امکان نہ ہوتا تھا تو نہ صرف جنگ میں اپنے دشمنوں کو مارتی تھیں بلکہ جنگ کے بعد بھی جو دشمن ہاتھ آ سکتے۔ ان کو قتل کر دیتی تھیں۔ اس وقت کے حالات کے ماتحت یہ باتیں بُری نہ تھیں بلکہ خود حفاظتی کے قانون کے ماتحت نہایت ضروری تھیں۔ اور اس وقت کے معیار اخلاق کے ماتحت صرف وہی اقوام ظالم کہلاتی تھیں جو عورتوں اور بچوں کو بھی مار ڈالتی تھیں۔

اس کے بعد ایک نیا دور چلا اور اخلاق کا معیار بلند ہو گیا۔ اب یہ فرق کیا جانے لگا کہ صرف وہی شخص مارے جانے چاہئیں جو فتنوں کے بانی ہوں باقی لوگوں کو اگر ایسی صورت میں زندہ رکھا جا سکے کہ وہ ہماری تباہی کا موجب نہ ہوں تو انہیں زندہ رہنے کا موقع دینا چاہئے۔ چونکہ ابھی دنیا کا تمدن کامل نہیں ہوا تھا اور نظامِ حکومت ایسا پیچیدہ نہ تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہے۔ اس زمانہ میں یہ انتظام کیا گیا کہ جس قوم سے جنگ ہو' اس کے افراد کو قید کر لیا جائے اور چونکہ نہ حکومت قیدیوں کا خرچ برداشت کر سکتی ہے اور نہ ان کے لئے قید خانے مہیا کر سکتی

ہے‘ اس لئے انہیں ملک کے مختلف افراد کے قبضہ میں دے دیا جائے کہ وہ ان کی نگرانی رکھیں۔ اور اس خرچ کے بدلہ میں جو انہیں ان قیدیوں پر کرنا پڑے‘ ان سے کام لیا جائے۔ چونکہ اس وقت کا نقطہ نگاہ یہی تھا کہ ہمارا ہر دشمن درحقیقت ہمارا آئندہ قاتل ہے اس لئے جب کوئی اس قسم کا قیدی بھاگتا تھا تو اس کے معنی یہی لئے جاتے تھے کہ یہ اپنے علاقہ میں جاکر پھر ہمارے خلاف لڑائی کا جوش پیدا کرے گا اور ہمیں قتل کرنے کی کوشش کرے گا اس لئے اس زمانہ کے نقطہ نگاہ سے ہر قیدی جو بھاگتا تھا‘ اسے قتل کیا جاتا تھا۔ اور اگر ہم اس وقت کے نقطہ نگاہ سے اس سوال پر نظر ڈالیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ گو آج یہ فعل ظالمانہ نظر آئے مگر اس وقت کے حالات کے ماتحت سوسائٹی کی حفاظت کے لئے یہ ایک ضروری فعل تھا۔

صنعت و حرفت کی داغ بیل کس طرح رکھی گئی

دنیا نے اس کے اوپر پھر ترقی کی اور غلاموں کے وجود کو تمدن کا ایک جزو بنالیا۔ یعنی وہ پیشے جن میں مشّاقی‘صبر‘ استقلال اور لمبی محنت کے نتیجے میں پیدا ہوتی تھی ان قیدیوں یعنی غلاموں کے سپرد کئے گئے اور اس طرح صنعت و حرفت جو اس وقت تمدن و ترقی کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں‘ کی داغ بیل رکھی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم الایام سے صنعت و حرفت ذلیل پیشے خیال کئے جاتے ہیں اور اہل صنعت و حرفت دوسری قوموں کی نسبت ادنیٰ خیال کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کام کُلّی طور پر غلاموں کے سپرد ہوں گے‘ وہ لازماً غلاموں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے حقیر خیال کئے جائیں گے۔

اس زمانہ میں صنعت و حرفت سے تعلق رکھنا گویا اپنے غلام ہونے کا ثبوت دینا تھا۔ جب غلامی کا دَور کم ہوا اور صنعت و حرفت کو آزاد لوگوں نے بھی اختیار کرلیا تو بوجہ اس کے کہ اکثر پیشہ ور جو گو خود غلام نہ تھے مگر غلاموں کی اولاد تھے حقیر خیال کئے جاتے تھے اور ان کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی جو ان کی طرح پیشہ اختیار کرتے تھے‘ ذلیل سمجھے جاتے تھے۔

غلامی کی بنیاد ظلم پر نہیں بلکہ رحم پر رکھی گئی

مذکورہ بالا تاریخی واقعات سے یہ معلوم ہوگا کہ غلامی کی بنیاد ظلم پر نہیں بلکہ رحم پر رکھی گئی ہے اور اس کے قیام کا اصل محرک جنگ میں شامل ہونے والے لوگوں کو قتل ہونے سے بچانے کا خیال تھا۔ جس وقت تک لوگوں کی یاد میں پہلا نقطہ نگاہ تازہ رہا اس وقت تک تو لوگ اس تحریک کو نیک اور شاہراہ ترقی کی طرف ایک صحیح قدم سمجھتے

رہے۔ جب ایک لمبے عرصہ کے بعد پہلا نقطہ نگاہ بھول گیا تو پھر یہی فعل ایک سزا سمجھا جانے لگا۔ خصوصاً جبکہ انسانی دماغ ترقی کر رہا تھا اور اخلاق کی مزید باریکیاں معلوم ہونے کے سبب سے ایک حصہ انسانوں کا اس بات کی طرف مائل تھا کہ اپنے دشمن کے ضرر سے بچنے کے لئے اور ذرائع بھی اختیار کئے جا سکتے ہیں' پس ہمیں ان کی تلاش کرنی چاہئے۔

غلامی کی ناجائز صورتیں

غلامی کی ان صورتوں کے علاوہ جو کہ اپنے اپنے وقت میں جائز تھیں' بعض ناجائز صورتیں بھی پیدا ہو گئیں مثلاً یہ کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ لوگوں کو غلاموں سے کام لینے کی عادت ہو گئی ہے اور وہ ان کے لئے بڑی بڑی رقمیں ادا کرتے ہیں تو انہوں نے آزاد لوگوں کو یا ان کے بچوں کو پکڑ پکڑ کر بیچنا شروع کیا اور ایک ملک سے پکڑ کر دوسرے ملک میں لے جا کر بیچ دیتے تھے اور اس طرح لاکھوں روپیہ کماتے تھے۔ یہ صورت انسانی تمدن کے مختلف دوروں میں کبھی بھی معقول نہیں سمجھی گئی اور ہمیشہ اسے ناپسندیدہ اور نامناسب ہی قرار دیا گیا۔

چونکہ غلامی کی ابتداء اس خیال پر تھی کہ انسان کو غلام اس کے فائدہ کے لئے بنایا جاتا ہے یعنی اس کو قتل سے بچانے کے لئے اس لئے اس نقطہ نگاہ کے ماتحت دنیا میں ایک اور طریق غلامی کا بھی ایجاد ہو گیا کہ بعض لوگ خود اپنے آپ کو یا اپنے بچوں کو بیچ ڈالتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایک مالدار آدمی کے پاس فروخت ہو جانے پر ان کی یا ان کے بچوں کی حالت اچھی ہو جائے گی۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں' اس زمانہ کے نقطہ نگاہ کے ماتحت یہ بات بھی کوئی معیوب نہ تھی کیونکہ عمر بھر بھوکے رہنے' بیماریوں میں مبتلا رہنے اور اپنے بیوی بچوں کو بھوکا تڑپتے دیکھنے سے یہ بات اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے بہتر معلوم ہوتی تھی کہ کوئی شخص اپنی ساری عمر کی خدمت کا اقرار ایک شخص سے کر لے اور اس کے بدلہ میں کوئی دوسرا شخص اس کی رہائش اور اس کے کھانے پینے کا ذمہ وار ہو۔

میری یہ تمہید اور غلامی کی تاریخ پر غور کرنے سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ انسانی سوسائٹی پر بعض دور ایسے آتے ہیں جبکہ غلامی ضروری ہو جاتی ہے اور یہ کہ غلامی کے اصل نقائص یہ ہیں:-

(۱) کہ انسان کی آزادی بالکل مسلوب ہو جائے۔

(۲) اس کی قید اس کے فائدہ کے لئے نہ ہو۔

(۳) جبکہ انسان کو اُس وقت مجبور کیا جائے کہ جب وہ اپنی بُرائی اور بھلائی پہچان سکتا ہو۔
(۴) جبکہ آزادی کا حصول اس کے اختیار میں نہ ہو۔
(۵) جبکہ غلام اور آقا کے تعلقات کی بنیاد حُسنِ سلوک پر نہ ہو۔

غلامی کس طرح مٹ سکتی ہے

اگر کوئی ایسا قانون ہو جو ان سب باتوں کا لحاظ کرے تو وہی قانون صحیح طور پر غلامی کو دنیا سے مٹا سکے گا۔ کیونکہ جب تک غلامی کی ضرورتوں کو جو بعض دفعہ ایک آزاد انسان کو بھی غلام بننے پر مجبور کر دیتی ہیں، دور نہ کیا جائے اس وقت تک غلامی کُلّی طور پر دنیا سے نہیں مٹ سکتی۔ اور جب تک ایسے لوگوں کو جو اپنے نفس کو قابو میں نہ رکھ سکیں اور دنیا کے تمدن کے تختے کو اُلٹنے کی کوشش میں ہوں ان کو خطرناک جرائم کی سزا میں بعض قیود اور حد بندیوں کے نیچے نہ لایا جائے، اس وقت تک نہ غلامی مٹ سکتی ہے نہ دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

غلامی کو مٹانے کے لئے اصول رسول کریمؐ نے بیان کئے

افسوس کہ ان امور کو مدنظر رکھے بغیر دنیا نے غلامی کو مٹانا چاہا ہے اور بغیر مغز کے ایک قشر تیار کر کے اس پر خوش ہو رہی ہے حالانکہ غلامی اب بھی موجود ہے اور موجود رہے گی۔ اس کی بعض صورتیں مٹائی نہیں جا سکتیں اور مٹائی نہیں جا سکیں گی کیونکہ وہ اچھی صورتیں ہیں، بُری نہیں۔ اور بعض صورتیں ظاہراً مٹا دی گئی ہیں، حقیقتاً موجود ہیں اور اس وقت تک موجود رہیں گی جب تک کہ سوسائٹی کے تمدن کی بنیاد ان اصول پر نہ رکھی جائے گی جن سے غلامی کی روح مٹ سکتی ہے اور وہ اصول صرف اور صرف اسلام نے بیان کئے ہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کی بنیاد رکھی ہے۔

سر ولیم میور کا اعتراض

باوجود اس کے سر ولیم میور جیسے ناواقف لوگ یہ کہتے ہیں کہ:-

"معمولی اہمیت والے معاملات کو نظر انداز کر کے اسلام سے تین بہت بڑے عیب پیدا ہوئے ہیں جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں رائج رہے ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ قرآن پر مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد ہے۔ اول کثرت ازدواج، طلاق اور غلامی کے مسائل۔ یہ پبلک کے اخلاق کی جڑ پر تبر رکھتے ہیں اور اہلی زندگی کو زہر آلود بناتے ہیں۔ اور سوسائٹی کے نظام کو تہ و بالا کرتے ہیں۔"[1]

مگر حقیقت یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہی ان تینوں عیوب کے دور کرنے کا طریق بتایا ہے۔ اس طریق کو نظرانداز کر دو تو یقیناً ایک عیب کی اصلاح کرتے ہوئے دوسرا عیب پیدا ہو جائے گا۔ اور اس کی اصلاح کرتے ہوئے پھر تیسرا پھر چوتھا۔ اور ایک گڑھے سے بچنے کی کوشش میں انسان دوسرے گڑھے میں گرے گا جو پہلے سے بھی زیادہ گہرا ہو گا۔ یہاں تک کہ وہ مجبور ہو کر اس طریق کی طرف لوٹے گا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے حکم سے قائم کیا۔

غلامی کے متعلق اسلام کی کامل تعلیم

میں وہ اصول بیان کر چکا ہوں جن کی بناء پر انسانی آزادی پر قید لگائی پڑی ہے اور وہ اصول بھی بیان کر چکا ہوں جن کی بناء پر انسانی آزادی پر قید لگانا ضروری ہے۔ اور میں یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ غلامی کی حقیقی تعریف یہی ہے کہ انسان کی آزادی کو سلب کر کے اس کو بعض قیود کا پابند کر دیا جائے۔ اگر ان تینوں امور کے متعلق میری رائے صحیح ہے اور جہاں تک میرا مطالعہ اور میرا علم جاتا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ غلامی کے متعلق اصولی طور پر غور کرنے والے تمام لوگ ان تینوں باتوں میں مجھ سے متفق ہیں، تو میں کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کے متعلق جو تعلیم دی ہے، اس کے کامل اور اکمل ہونے کے متعلق کسی شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

غلامی کو اسلام نے کس طرح مٹایا

پہلے میں غلامی کی ان اقسام کو لیتا ہوں جو غلامی کے مشہور طریق سے جدا ہیں۔ پہلا طریق یہ ہے کہ کسی آزاد کو زبردستی پکڑ کر بیچ ڈالا جائے۔ اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ آزاد کو فروخت کرنے والا واجب القتل ہے۔ چنانچہ نجد کے کچھ عیسائیوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ ہمیں بعض ہماری ہمسایہ قوموں نے بغیر کسی جنگ کے قید کر کے غلام بنایا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو آزاد کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ جرم اسلام سے پہلے کا نہ ہوتا تو میں اسلامی احکام کے مطابق ان آزادوں کے قید کرنے والوں کو قتل کی سزا دیتا۔ جو شخص اس قسم کی غلامی کے نتائج پر غور کرے وہ اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہے گا کہ اس رنگ میں انسان کو قید کر کے اس کے بیوی بچوں اور وطن سے جُدا کر دینا ایک نہایت ہی قبیح فعل ہے۔ اور اس کی سزا یقیناً قتل ہی ہونی چاہئے۔ کیونکہ ایسا شخص ہزاروں جانوں کو قتل کرتا ہے۔

دوسرا طریق

دوسرے، ایک ناجائز طریق دنیا میں غلامی کا یہ تھا کہ غلام بنانے کے لئے اپنی ہمسایہ قوم پر حملہ کر دیتے یا مال و دولت لوٹنے کے لئے حملے کرتے تھے اور ساتھ ہی آدمیوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ اسلام نے اس کو بھی ردّ کیا اور یہ قاعدہ بنا دیا کہ کسی قوم کو دوسری قوم پر اس وقت تک حملہ کرنے کا حق نہیں جب تک کہ وہ یہ ثابت نہ کر دے کہ اس کے بعض حقوق اس قوم نے تلف کر دیئے ہیں اور جب تک کہ ہمسایہ قوموں کو اس بات کا موقع نہ دے دیا جائے کہ وہ دونوں فریق میں اصلاح کی کوشش کریں لیکن ایسی جنگ کے بعد بھی غلام بنانے کی اجازت نہیں۔ صرف اس بات کی اجازت ہے کہ جس حق پر لڑائی تھی وہ اس کو دلا دیا جائے۔ یا جو اخراجات وغیرہ اس پر ہوئے ہیں وہ اس کو کُلّی طور پر یا ان کا کچھ حصہ دلا دیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اور اگر مومنوں میں سے دو قومیں آپس میں لڑنے پر آمادہ ہوں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر اس صلح کے بعد بھی ایک دوسری کے خلاف زیادتی سے کام لے تو جو قوم زیادتی کرتی ہے اس کے خلاف سب قوموں کو مل کر جنگ کرنی چاہئے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو دوبارہ ان میں عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرا دو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے دنیوی جھگڑوں میں یونہی حملہ کر دینے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ سب سے پہلے دوسری اقوام کو بیچ میں ڈال کر صلح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی قوم دوسری قوم کا حق دینے کے لئے تیار نہ ہو تو پھر سب قوموں کو اس کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اور لڑائی کا انجام پھر صلح پر رکھا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ غلامی یا دوسرے کے حقوق کے تلف کرنے کی صورت بالکل ناممکن ہو جائے گی۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اس جگہ مومنوں کے متعلق احکام ہیں۔ مومنوں کا لفظ صرف اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ مومن ہی قرآن کریم کے احکام کو مانیں گے۔ ورنہ اصولی طور پر دنیا کی سب قومیں ان احکام پر عمل کر سکتی ہیں اور ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

تیسرا طریق

تیسری صورت جو غلامی کے عام مشہور قاعدہ کے علاوہ دنیا میں رائج ہو گئی تھی' یہ تھی کہ لوگ اپنے آپ کو یا اپنے بیوی بچوں کو بیچ ڈالا کرتے تھے۔ اسلام نے اس طریق کو بھی بالکل روک دیا ہے اور ایک عام حکم دے دیا ہے کہ کسی آزاد کو غلام نہیں بنایا جا سکتا خواہ اس کی مرضی سے یا بغیر مرضی کے۔ لیکن میں بتا چکا ہوں کہ بعض حالات میں آزادی سے غلامی بہتر ہوتی ہے۔ ایک آزاد شخص جو بیمار ہے یا جسے کوئی ملازمت کا کام نہیں مل سکتا یا اور کوئی اسی قسم کی بات پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ روزی نہیں کما سکتا' وہ آزاد رہتے ہوئے جو تکلیف اٹھائے گا بعض حالات میں غلامی میں اس سے کم تکلیف پہنچے گی۔ اسی طرح جو تکلیف اس کے بچے اس کے پاس اٹھائیں گے' بالکل ممکن ہے کہ بعض حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ غلامی میں اس سے کم تکلیف اسے پہنچے۔ پس یہ حکم کہ کوئی شخص خود اپنے آپ کو یا اپنے بچوں کو نہیں بیچ سکتا اس وقت تک مفید اور قابل عمل نہیں کہلا سکتا جب تک کہ ان مشکلات کا بھی علاج نہ سوچا جائے جو اس حالت میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی کے ماتحت اس حکم کو تو لوگوں نے اختیار کر لیا ہے لیکن اس کے ساتھ جو مشکلات وابستہ ہیں' ان کا کوئی علاج نہیں کیا۔ مگر محمد ؐ رسول اللہ ﷺ نے اس کا علاج بھی بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر فرد کا کھانا مہیا کرنا اور اس کا ضروری لباس اور اس کے لئے رہائش کا انتظام حکومت پر یا بالفاظِ دیگر ساری قوم پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور اس طرح اس ضرورت کو جو آزاد کو غلام بنانے پر مجبور کرتی ہے' باطل کر کے غلامی کی ایک شِقّ کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔

دُنیوی جنگوں میں کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا

اس کے بعد اب میں وہ صورت لیتا ہوں جو غلامی کی جائز صورت سمجھی جاتی رہی ہے۔ اور جو یہ ہے کہ کسی شکوہ یا شکایت پر دو قومیں آپس میں لڑ پڑیں اور ان میں سے غالب آنے والی قوم مغلوب کے افراد کو قید کر کے اپنا غلام بنا لے۔ اس قسم کی غلامی میں سے اسلام نے اس غلامی کو تو اُڑا دیا ہے جو دنیوی جنگوں کے نتیجے میں رائج تھی۔ اور اس کے متعلق وہی تعلیم دی ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اول تو دنیوی جنگیں نہ ہی ہوں اور اگر ہوں تو ان کا اختتام صلح پر ہونا چاہئے اور محض حقوق کے تصفیہ پر ہونا چاہئے اور غلام وغیرہ نہیں بنانے چاہئیں۔ ان جنگوں کا اصول اسلام نے یہ رکھا ہے کہ دوسری بے تعلق قوموں کو بھی ان میں

حصہ لینا چاہئے تا کہ کوئی قوم بھی تعدّی نہ کر سکے۔

مذہبی جنگوں میں غلام بنانے کی ممانعت

دوسری قسم کی جنگیں مذہبی جنگیں ہیں۔ ان کے متعلق اسلام نے جو حکم دیا ہے وہ یہ ہے۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ [۳] اور فرمایا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ [۴] یعنی ہر ایک کا دین اس کے ساتھ ہے۔ اور دلیل اور صحیح طریقِ عمل واضح کر دینے کے بعد کسی کو ایک دوسرے پر جبر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اگر ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد بھی کوئی شخص ہدایت کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کا نقصان اس کو پہنچے گا۔ دوسروں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اس پر زور دیں اور اسے مجبور کر کے اپنے مذہب میں داخل کریں۔ پس اپنا مذہب منوانے کے لئے جنگ کرنے کا سلسلہ اسلام نے بالکل روک دیا ہے۔ اور اس طرح حملہ کر کے غلام بنانے کا طریق دنیا سے مٹا دیا ہے۔

مظلوم قوم کے لئے اجازت

مگر چونکہ ضروری نہیں کہ ہر شخص اسلام کی تعلیم پر عمل کرے، اور چونکہ مذہبی حملے عام طور پر کمزور قوموں پر ہوا کرتے ہیں۔ خصوصاً ایسے مذاہب کے پیروؤں پر جو جدید ہوتے ہیں اور ان سے ہمدردی حملہ آور قوم کے علاوہ دوسری قوموں میں بھی نہیں ہوتی، اس لئے دنیوی جنگوں کے متعلق جو قانون تھا وہ یہاں پر چسپاں نہیں ہو سکتا۔ ایسے موقع پر حملہ آور قوم کی ہم مذاہب اقوام یا وہ اقوام جو اس کی ہم مذہب تو نہ ہوں لیکن دوسری قوم کے مذہب سے شدید اختلاف رکھتی ہوں، اس مظلوم قوم کی تائید کے لئے کبھی نہیں نکلیں گی۔ پس ضروری تھا کہ اس مظلوم قوم کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار دیا جاتا جس سے وہ اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتی اور حملہ آور قوم کے دل میں بھی کوئی ڈر باقی رہتا۔ پس اس کے لئے اسلام نے یہ اجازت دی کہ اگر ایک قوم اپنا مذہب منوانے کے لئے کسی دوسری قوم پر حملہ کرے تو اس کے قیدیوں کے ساتھ عام جنگی قیدیوں کی نسبت کسی قدر مختلف سلوک کیا جائے۔ اور وہ یہ سلوک ہے کہ اس کے قیدیوں کو فروخت کرنے کی اجازت ہو تا کہ وہ مظلوم قوم جس پر حملہ کی وجہ ہی اس کا کمزور ہونا تھا، قیدیوں کی پرورش کے بار کے نیچے دب کر اور بھی تباہ نہ ہو جائے۔ اس صورت کا نام خواہ غلامی رکھ لو خواہ قید کی کوئی دوسری نوعیت قرار دے لو بہرحال اسلام نے اس کو جائز رکھا ہے۔ مگر کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا کہ ایک کمزور قوم پر اس غرض سے حملہ کرنے والا کہ اسے اس

کی واحد دولت یعنی تعلق باللہ سے محروم کردے اور شیطان کی ابدی غلامی میں دے دے' یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ اسے بتایا جائے کہ آزادی کا چھن جانا کیسا تکلیف دہ ہے۔ جو شخص حُرّیتِ ضمیرِ انسان سے چھینتا ہے اگر اسے کچھ عرصہ کے لئے جسمانی حریت سے محروم رکھا جائے تو یقیناً یہ سزا اس کے فعل سے کم ہے۔

ضروری شرائط

باوجود اس کے کہ جس جُرم کی سزا میں اسلام نے فردی قید کو جائز رکھا ہے' وہ بہت شدید ہے اور اس کی سزا بہت کم ہے۔ پھر بھی اس نے ایسی قیود مقرر کر دی ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ قید غلامی کے اس مفہوم سے باہر نکل جاتی ہے جو عام طور پر دنیا میں سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام نے ان قیدیوں کے لئے یہ شرائط مقرر کی ہیں:۔

(۱) ہر شخص جس کے پاس وہ قیدی رہیں' وہ انہیں وہی کچھ کھلائے جو خود کھاتا ہے۔ اور وہی کچھ پہنائے جو خود پہنتا ہے۔

(۲) کوئی شخص انہیں بدنی سزا نہ دے۔

(۳) ان سے کوئی ایسا کام نہ لیا جائے جو وہ کر نہ سکتے ہوں۔

(۴) ان سے کوئی ایسا کام نہ لیا جائے جس کے کرنے سے مالک خود کراہت کرتا ہو۔ بلکہ مالک کو چاہئے کہ وہ کام میں ان کے ساتھ شریک ہو۔

(۵) اگر وہ آزادی کا مطالبہ کریں تو انہیں فوراً آزادی دی جائے بشرطیکہ وہ اپنا فدیہ ادا کر دیں۔

(۶) فدیہ کی ادائیگی میں بھی یہ شرط رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی گھر سے مالدار نہیں ہے اور اس کے رشتہ دار فدیہ دے کر اسے نہیں چھڑا سکتے تو وہ مالک سے ٹھیکہ کر لے کہ فلاں تاریخ تک اتنی قسطوں میں مَیں یہ رقم ادا کر دوں گا۔ اس سمجھوتے پر مالک مجبور ہوگا اور اسی دن سے یہ قیدی اپنے مال کا مالک سمجھا جائے گا اور جو کچھ کمائے گا' اس کا ہوگا۔ صرف اپنے وقت معیّن پر مقررہ قسط ادا کرتا رہے گا۔ جس دن اصل رقم ادا ہو جائے گی یہ پورے طور پر آزاد سمجھا جائے گا۔

(۷) غلام کو حق دیا گیا ہے کہ جب کوئی مالک اس کے ساتھ نامناسب سلوک کرتا ہو تو وہ مجبور کر کے اپنے آپ کو فروخت کرا لے۔

آزادی سلب کرنے کی اجازت کس صورت میں دی

ان قوانین سے یہ بات ثابت ہے کہ اول اسلام نے انسانی آزادی سلب کرنے کی اسی وقت اجازت دی ہے جبکہ اس میں اپنی خیرو شر سمجھنے کی طاقت باقی نہ رہی ہو گویا کہ اس کی مثال ایک بچہ کی سی ہے کیونکہ جو شخص تلوار کے ذریعہ سے دوسروں کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتا ہے وہ انسان کی ذہنی ترقی کو جو اس کی پیدائش کا اصل مقصود ہے، روکتا ہے۔ اور بنی نوع انسان کو اس عظیم الشان مقصد سے محروم کرنا چاہتا ہے جس مقصد کے حصول کے لئے کروڑوں جانوں کو ضائع کر دینا بھی وہ معمولی قربانی سمجھتے ہیں۔ پس اس قسم کی نادانی کرنے والا انسان یقیناً بچوں سے بدتر ہے اور یقیناً اس امر کا مستحق ہے کہ ایک عرصہ تک اسے قید و بند میں رکھا جائے۔

لیکن جس وقت حکومت ایسی کمزور ہو کہ وہ باقاعدہ سپاہی نہ رکھ سکتی ہو اور قوم کے افراد پر جنگی اخراجات کی ذمہ داری فرداً فرداً پڑتی ہو اس وقت قیدیوں کے رکھنے کا بہترین طریق یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو افراد میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ وہ ان سے اپنے اخراجاتِ جنگ وصول کرلیں۔ جب حکومت کی باقاعدہ فوج ہو اور افراد پر جنگی اخراجات کا بار فرداً فرداً نہ پڑتا ہو تو اس وقت جنگی قیدی تقسیم نہیں ہوں گے بلکہ حکومت کی تحویل میں رہیں گے۔

اسلام نے غلامی کے نقائص کس طرح دور کئے

ماتحتی کی بُری صورتوں میں سے ایک یہ صورت تھی کہ ماتحت کے ساتھ ذلّت کا سلوک کیا جائے اور اس وجہ سے غلامی بُری کہلاتی ہے۔ لیکن جب اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ مالک جو خود کھائے وہ غلام کو کھلائے اور جو پہنے وہ غلام کو پہنائے اور اس سے وہ کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ اور وہ کام نہ لے جو آقا اس کے ساتھ خود مل کر کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور اسے مارے نہیں اگر مارے تو وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا۔ تو ایسے غلام کی حالت ایک چھوٹے بھائی یا بچہ کی طرح ہے۔ اگر چھوٹا بھائی یا بچہ غلام نہیں کہلا سکتا تو یہ شخص بھی غلامی کی عام تعریف سے باہر نکل آتا ہے۔

تیسرا نقص غلامی میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انسان ہمیشہ کے لئے ایک بات کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس کا بھی اسلام نے علاج کر دیا ہے کیونکہ غلام کا حق رکھا ہے کہ وہ اپنا فدیہ دے کر آزاد ہو جائے۔ اور اگر وہ اپنا فدیہ یکدم ادا نہیں کر سکتا تو اپنے مالک سے قسطیں مقرر کر لے۔ اور

جس وقت وہ قسطیں مقرر ہو جائیں' اسی وقت سے وہ اپنے اعمال میں ویسا ہی آزاد ہو گا جیسا دوسرا آزاد شخص اور وہ اپنے مال کا مالک سمجھا جائے گا۔ پس ہر ایسا قیدی جو مذہبی جنگ میں گرفتار ہوتا ہے' اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ آزادی حاصل کر لے۔ اور جب آزادی کا حصول اس کے اپنے اختیار میں ہے تو اس قسم کی قید' غلامی کی ناجائز شقوں میں کس طرح شامل کی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم نے غلام کے لئے دو ہی صورتیں رکھی ہیں۔ **اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً۔**[۵] مذہبی جنگ میں جب کوئی شخص قید ہو تو یا اس کو بطور احسان چھوڑ دیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ پس یہ صورت اسلام میں جائز ہی نہیں کہ باوجود اس کے کہ کوئی شخص اپنا فدیہ پیش کرتا ہو پھر اس کو غلام رکھا جائے۔ ہاں یہ ایک صورت رہ جاتی ہے کہ نہ تو کوئی شخص فدیہ دے سکتا ہو اور نہ مالک بغیر فدیہ کے آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ جو رقم اس نے جنگ میں خرچ کی تھی' اس نے اس کی مالی حالت کو خراب کر دیا ہو۔ ایسی صورت کے لئے قرآن کریم نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ:۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ۔[۶]

یعنی وہ لوگ جو کہ تمہارے قیدیوں میں سے چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ قسطیں مقرر کر لی جائیں اور انہیں آزاد کر دیا جائے تو ان کے فدیہ کی رقم کی قسطیں مقرر کر لو۔ اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ روپیہ کمانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ بلکہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے' اس میں سے ان کی مدد کرو۔ یعنی انہیں کچھ سرمایہ بھی دے دو تاکہ اس کے ذریعہ سے روپیہ کما کر وہ اپنا فدیہ ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔

جو لوگ اس کی بھی قابلیت نہ رکھتے ہوں' ان کے لئے اسلام نے نصیحت فرمائی ہے کہ مالدار لوگ انہیں آزاد کرائیں۔ اور حکومت انہیں آزاد کرائے۔ لیکن جو لوگ کسی طرح بھی کمائی نہ کر سکتے ہوں اور آزاد ہو کر سوال کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو' ان کے متعلق مالک کو یہی حکم ہے کہ وہ انہیں پاس رکھے اور ان کی خبر گیری کرے۔ اپنے کھانے میں سے اسے کھلائے اور اپنے کپڑے میں سے انہیں پہنائے۔

اسلام میں کوئی غلامی نہیں

ہر شخص جو ان احکام کو پڑھے' معلوم کر سکتا ہے کہ غلامی کا جو مفہوم دنیا میں پایا جاتا ہے' اس کے رو سے اسلام میں

کوئی غلامی رائج نہیں۔ ہاں فلسفیانہ اصول پر جو غلامی کی تشریح کی جاتی ہے اور جس کے ماتحت غلامی اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بُری بھی اور ضروری بھی ہو سکتی ہے اور غیر ضروری بھی اس غلامی کی بعض قسمیں اسلام نے جائز رکھی ہیں۔ یعنی وہ جو اچھی ہیں اور ضروری ہیں اور جن کا ترک کرنا کوئی عقلمند انسان پسند نہیں کر سکتا اور جن کے ترک کرنے سے دنیا میں فساد اور فتنہ پیدا ہوتا ہے اور حقیقی آزادی مٹتی ہے اور دنیا کی ترقی میں روک پیدا ہوتی ہے اور جو غلامی کے بُرے طریق ہیں ان سے اسلام نے روکا ہے اور دوسرے لوگوں کی طرح صرف روکا ہی نہیں بلکہ غلامی کے ان طریقوں کے موجبات اور محرکات کا بھی علاج کیا ہے تاکہ انسان مجبور ہو کر ان غلامیوں میں مبتلا نہ ہو۔

حقیقی آزادی دینے والا انسان

پس مبارک ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود جنہوں نے اس غلامی کو جو دنیا کے لئے مضر تھی، مٹایا اور دنیا کو حقیقی آزادی عطا کی۔ وہ نادان جو لفظاً غلامی کو مٹاتے ہیں اور عملاً اسے قائم کرتے ہیں، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو چاند پر تھوکتا ہے۔ لیکن چاند پر تھوکا خود ان کے اپنے منہ پر پڑتا ہے۔ عقلمند آدمی محسوس کرتے ہیں۔ کل سب دنیا معلوم کر لے گی کہ حقیقی آزادی اس تعلیم میں ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور دنیا کو نجات دینے والی ہستی صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(الفضل ۸۔ نومبر ۱۹۳۱ء)

۱

۲ الحجرات: ۱۰ ۳ الکٰفرون: ۷ ۴ البقرۃ: ۲۵۷

۵ محمد: ۵ ۶ النور: ۳۴